مفتی احمد الرحمٰن

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

تأسیس و ارتقاء

''اگر دینی مدرسہ دنیا کے لئے بنانا ہے تو آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے اور اگر آخرت کے لئے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے۔''

یہ کلمات حضرت رحمہ اللہ نے پہلی مرتبہ اس وقت ارشاد فرمائے جبکہ ایک جید عالم دین نے اپنا نیا دینی مدرسہ قائم کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اور اس کے بعد متعدد مجلسوں میں یہ حکیمانہ جملہ دہرایا۔ بلاشبہ کسی دینی ادارہ کو جو دین اور علمِ دین کا قلعہ ہونا چاہئے اگر دنیا کے حقیر اغراض و مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے تو کتنی بڑی محرومی اور خسرانِ آخرت کا موجب ہوگا' اور اگر اس کے قائم کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح حاصل کرنا ہو تو پھر جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی حدود میں پابند ہونے کی بناء پر قدم قدم پر دنیا کی مشقتوں، مصیبتوں اور آزمائشوں کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کوئی شاعرانہ تخیل نہ تھا' بلکہ ساٹھ سال کی طویل مدت تک مدارس کے ساتھ وابستگی، تجربات و مشاہدات اور تقریباً چوبیس سال تک ایک عظیم دینی ادارہ کے اہتمام و نظارت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ نے یہ رائے قائم کی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''مدرسہ قائم کرنے کے بعد جو مشکلات سامنے آئیں' اگر ان کا پہلے سے احساس ہوتا تو شاید مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ نہ کرتا۔''

ہمیشہ آپ کی یہی خواہش و کوشش رہی کہ مدارسِ دینیہ صرف فلاحِ آخرت اور محض رضائے الٰہی حاصل

کرنے کے لئے ہونے چاہئیں' ان میں دنیوی اغراض وخواہشات کی آمیزش کا شائبہ تک نہ ہونا چاہئے۔ اگر آپ دیکھتے کہ کسی مدرسہ سے یہ عظیم مقصد پورا نہیں ہورہا تو یہ چیز آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوتی' چنانچہ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار' اور مدرسہ لال جیوہ کراچی کے تجربات اس پر شاہد ہیں۔

نیوٹاؤن میں مدرسہ کی بنیاد

بزرگوں کے مشوروں، استخاروں اور حرمین شریفین میں مراقبوں، مکاشفوں اور دعاؤں کے بعد مستقل دینی ادارہ قائم کرنے کا عزم فرمالیا' اس کے لئے آپ نے جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی کے احاطے کو منتخب فرمایا اور منتظمین انجمن سے حضرت رحمہ اللہ نے گفتگو فرمائی اور کہا کہ: مجھے ایک خالص دینی مدرسہ قائم کرنے کے لئے صرف جگہ دیجئے' میں آپ حضرات سے مدرسہ کی تعمیر اور اس کے اخراجات کے لئے کسی مالی امداد کا طالب نہیں ہوں گا' اور نہ کسی اور قسم کے تعاون کا خواستگار ہوں گا' منتظمین انجمن نے بخوشی یہ تجویز منظور کرلی' اس لئے کہ انہوں نے یہ پلاٹ مدرسہ اور مسجد کے نام سے حاصل کیا تھا اور وہ خود بھی یہاں مکتب بنانا چاہتے تھے' مگر اس کے لئے جامع مسجد اور اس کی ملحقہ دکانوں کی تعمیر کے لئے ہی سرمایہ مہیا کرنا مشکل اور دشوار ہورہا تھا' چہ جائیکہ مدرسہ کی عمارت بنانا یا اس کی تعمیر کے لئے کوئی مالی امداد کرنا۔ منتظمینِ مسجد اس وقت تک صرف مسجد کی چھت ڈلوا سکے تھے، نہ پلستر ہوا تھا' نہ ہی صحن پختہ بنا تھا' نہ وضوخانے اور پیشاب خانے بنے تھے۔ الغرض ان حالات میں بعض مخلص منتظمینِ انجمن مسجد نیوٹاؤن نے مدرسہ کی تعمیر کی پیشکش کو ایک امدادِ غیبی سمجھ کر منظور کرلیا اور سرِ دست مسجد میں بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کی اجازت دے دی۔

صبر آزما اور حوصلہ شکن بے سروسامانی

حضرت مولانا رحمہ اللہ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اپنے ایک رفیق غربت کہئے یا یارِ غار' استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ العالی اور درجہ تکمیل کے دس ستم دیدہ، اذیت کشیدہ طلباء کے ساتھ جامع مسجد نیوٹاؤن میں منتقل ہوگئے اور اس وقت مسجد کے احاطہ میں صرف ٹین کی چھت کا ایک حجرہ تھا۔ اسی حجرہ میں حضرت رحمہ اللہ اور استاذِ محترم مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ نے اپنا مختصر سا سامان رکھ دیا اور رات کو سونے کے لئے ایک دیرینہ دوست حاجی محمد یعقوب صاحب (جو انتہاء درجہ صالح دیندار اور حضرت رحمہ اللہ کے قدرشناس دوست تھے) کی کوٹھی پر جو مدرسہ سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر تھی' چلے جاتے تھے اور طلبہ مسجد میں ہی دن کو پڑھتے اور مسجد میں ہی رات کو سوتے اور اپنا سامانِ خورد ونوش اور ضروری سامان بھی مسجد میں ہی رکھتے۔ مسجد اس وقت قطعاً غیر محفوظ اور ہر طرف سے کھلی ہوئی تھی' طلباء کے سامان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا' وقتاً فوقتاً سامان

چوری ہو جاتا‘ اسی ضرورت کے تحت موجودہ حجرہ کی پختہ چھت اور اس کے ساتھ ہی طلبہ کے لئے دوسرے حجرے کی تعمیر کے لئے خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوستوں سے تین سو روپے لائے اور منتظمین کو دیئے اور اس طرح دوسرا حجرہ بنا۔ سب سے بڑی مصیبت جو سوہانِ روح بنی ہوئی تھی‘ وہ یہ تھی کہ نہ مسجد کا کوئی غسل خانہ تھا، نہ بیت الخلاء، اور نہ ہی پیشاب کرنے کے لئے کوئی محفوظ پیشاب خانہ تھا۔ صرف عارضی طور پر وضو کے لئے ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں اور بس۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دن میں پیشاب یا رفع حاجت کے لئے ہر دو بزرگوں کو حاجی محمد یعقوب صاحب کے گھر پر جانا پڑتا تھا‘ جو کافی دور تھا۔

بلا معاوضہ پڑھانے والے اساتذہ

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اس مدرسہ کی ابتداء درجہ تکمیل سے کی تھی اور اپنے حلقہ احباب میں سرِ دست بلا معاوضہ کام کرنے کے لئے دو حضرات کو دعوت دی۔ ایک بزرگ تو مدرسہ لال جیوہ کی تکالیف سے تنگ آ کر نیو ٹاؤن منتقل ہونے سے پہلے ہی ہمت ہار گئے اور وطن واپس چلے گئے‘ صرف حضرت مولانا لطف اللہ صاحب آپ کے ساتھ نیو ٹاؤن آئے‘ اس بے سروسامانی کے عالم میں کہ نہ طلباء کے خورد ونوش کی ہی کوئی سبیل تھی نہ اساتذہ کو حق الخدمت دینے کی کوئی سبیل۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخلص دوستوں سے قرض لے کر طلبہ کے خورد ونوش کا ادھورا سدھورا انتظام کرتے۔ چنانچہ نیو ٹاؤن منتقل ہونے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاجر دوست حاجی علیم الدین جوہری سے تین سو روپے قرض لیا‘ جو غالباً حاجی صاحب نے دو قسطوں میں دیا۔ یہ تین سو روپے دس طلبہ پر تیس روپے فی نفر کے حساب سے ایک ماہ کے اخراجات کے لئے تقسیم کر دیئے۔ مدرسہ کی ابتداء اس طرح ہوئی۔ اسی طرح اپنے اہل وعیال کے لئے بھی جو کراچی میں مکان میسر نہ آنے کی وجہ سے ابھی تک ٹنڈو الہ یار میں ہی تھے‘ کچھ احباب سے قرض لے کر اور کچھ اپنی مملوک نایاب کتابیں فروخت کر کے کشائشِ الٰہی کے انتظار میں وقت گزار رہے تھے۔

اہل وعیال کی تنہائی اور تکالیف کا ابتلاء اور صبر آزما واقعات

انسان اپنی ذات پر تو ہر طرح کی سختیاں برداشت کر لیتا ہے، لیکن ایک غیور آدمی اپنے اہل وعیال کی تکالیف قطعاً نہیں برداشت کر سکتا‘ وہ اپنی تمام تر توانائی کو سب سے پہلے اپنے بال بچوں کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے وقف کر دیتا ہے‘ مگر مولانا رحمہ اللہ انتہائی غیور ہونے کے باوجود اپنی تمام تر قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت وحمایت کے لئے وقف کر چکے تھے‘ صرف اسی لئے مدرسہ ڈابھیل کے منصب شیخ الحدیث کو، بھاری تنخواہ کو، شاندار مکان کو، عظیم آسائشوں کو چھوڑ کر صرف اسی توقع پر پاکستان آئے تھے کہ ڈابھیل میں حسب منشاء

استفادہ کرنے والے مخاطب طلبہ میسر نہ تھے‘ آپ کا وہاں رہنا آپ کی خداداد غیر معمولی علمی عبقریت کی اضاعت کے مترادف تھا‘ دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں اس کے امکانات بہت روشن تھے‘ وہاں حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری سابق صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور جیسے بزرگ اور مولانا بدر عالم مہاجر مدنی جیسے مولانا کے قدر شناس علماء پہلے سے موجود تھے‘ چنانچہ ٹنڈو الہ یار میں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ تشریف لے آئے۔

دار العلوم ٹنڈو الہ یار کے حالات ناساز ہوئے، جن کا ذکر غیر ضروری ہے‘ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اصلاح کی کوشش فرمائی، لیکن جب حضرت رحمہ اللہ دار العلوم ٹنڈو الہ یار کی اصلاح سے مایوس ہوگئے تو کراچی میں تشریف لائے اور حب ندی کے پاس لال جیوہ مقام پر بعض بزرگوں کی رفاقت میں علومِ دینیہ کی خدمت شروع فرمائی‘ جب بعض رفقاء کی طرف سے ناقابلِ برداشت ایذا رسانیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اصلاح کی کوششوں میں ناکامی کے بعد استخاروں، دعاؤں (جن کا ذکر پہلے ہوچکا ہے) اور اللہ جل شانہ کے حکم سے جامع مسجد نیوٹاؤن کے احاطہ میں ایک مستقل دینی مدرسہ قائم کیا‘ جس کی تفصیل آپ اس مضمون میں پڑھ چکے ہیں۔ تو یہاں بھی من جانب اللہ آپ کے صبر وضبط کی آزمائش کے لئے ابتداءً انتہائی شدید ابتلاء پیش آئے‘ جسمانی و روحانی تکالیف کے علاوہ سب سے بڑی روحانی تکلیف ٹنڈو الہ یار میں اہل وعیال کی تنہائی کی تھی جو سوہانِ روح بنی ہوئی تھی‘ اس لئے کہ مولانا کے تشریف لانے کے بعد کوئی مرد نہ تھا‘ صرف عورتیں اور بچے تھے‘ کراچی میں اس وقت اپنا ہی کوئی ٹھکانا نہ تھا، اہل وعیال کے لئے تو مکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا‘ اس زمانہ میں خادم کے ماموں مولانا عبد الحمید صاحب (جو حاجی سومار کی فیکٹری میں امام وخطیب ہیں) خود بازار سے روزمرہ کی ضروریات خرید کر گھر پہنچا دیتے یا اپنے کسی شاگرد سے یہ خدمت لیتے‘ حضرت رحمہ اللہ مہینہ میں صرف ایک دفعہ ایک دو روز کے لئے تشریف لاتے اور شکر، چائے، صابن اور دیگر ضروری اشیاء ساتھ لے جاتے‘ ان دنوں آمدورفت کی یہ آسانیاں میسر نہ تھیں جو آج میسر ہیں‘ حیدرآباد سے میرپور خاص تک بڑی لائن نہ تھی‘ حیدرآباد سے لازمی طور پر گاڑی تبدیل کرنی پڑتی تھی اور چھوٹی لائن کی گاڑی کے لئے بسا اوقات کئی کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑتا اور شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا‘ بسوں کا انتظام انتہاء درجہ ناقص‘ بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

حوصلہ شکن واقعہ

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کراچی سے حیدرآباد جانے والی گاڑی لیٹ ہوگئی اور حیدرآباد کافی تاخیر سے پہنچی‘ جس کی وجہ سے حیدرآباد سے ٹنڈو الہ یار جانے والی گاڑی نکل گئی‘ اب دوسری گاڑی کے لئے رات کے ایک بجے تک انتظار کرنا پڑا‘ سردی کا موسم تھا‘ بارش ہورہی تھی‘ ٹنڈو الہ یار دو بجے کے بعد پہنچتے ہیں‘ اسٹیشن پر کوئی

سواری بھی موجود نہیں ہے اور بارش کی وجہ سے بجلی بھی فیل ہوچکی ہے، سخت اندھیرا پھیلا ہوا ہے اور کم از کم ایک من وزن ساتھ ہے اور گھر اسٹیشن سے کئی فرلانگ دور ہے اور سامان اٹھانے کے لئے قلی بھی نہیں، اسی حالت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سامان سر پر اٹھا کر بارش، سردی اور اندھیرے میں گھر روانہ ہوجاتے ہیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اس رات کے شدائد نے ہمت توڑ دی اور اللہ جل شانہ سے فریاد کی کہ اے اللہ! اب میرے اندر مزید سختیاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی، اب تو اپنی قدرت کاملہ سے کراچی میں مکان کا انتظام فرمادے۔

فرمایا کہ: اس کے بعد جب کراچی واپسی ہوئی تو دیکھا کہ انجمن جامعہ مسجد کے منتظمین کو اب خود ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تکالیف کا شدت کے ساتھ احساس ہو رہا ہے کہ مولانا کے لئے فوراً مکان بننا چاہئے، یہ اللہ جل مجدہ کی جانب سے غیبی نصرت تھی، چنانچہ فرمایا کہ: اس رات کے بعد صرف ایک مرتبہ ٹنڈو الٰہ یار جانا ہوا اور وہ بھی گھر والوں کو اطلاع دینے کے لئے کہ کراچی چلنے کی تیاری کریں، دوسری مرتبہ تو ان کو لینے ہی کے لئے جانا ہوا۔

عظیم قربانی

اس ابتلائی دور میں اہل و عیال کا بغیر کسی ظاہری سہارے کے تنہا ٹنڈو الٰہ یار میں رہنا ہی حضرت کے لئے کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا، ابتلاء پر ابتلاء یہ پیش آیا کہ وہاں کے لئے کمینہ خصلت و کینہ پرور اور کم ظرف افراد نے حضرت کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل خانہ کو طرح طرح سے پریشان کیا، حتیٰ کہ گھر میں سبزی ترکاری وغیرہ پہنچانا بھی مشکل بنادیا۔

اسی عالم میں حضرت کی صاحبزادی مرحومہ فاطمہ بہن کی آنکھوں میں کوئی شدید تکلیف پیدا ہوئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کراچی میں مدرسہ کے کاموں میں مصروف اور مشکلات میں سرگرداں، ادھر مرحومہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس ٹنڈو الٰہ یار میں محبوس، نہ کوئی تیماردار اور نہ کوئی دوا علاج کرنے والا موجود ایسی حالت میں ہسپتال لے جاکر مرض کی تشخیص کرانے کی طرف توجہ کون کرسکتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ آنکھوں کی بینائی بالکل جاتی رہی، جب اہلِ خانہ کراچی منتقل ہوئے اور ماہرینِ چشم سے معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ بینائی بالکل جاتی رہی ہے اور علاج کے مرحلہ سے گزر چکی ہے، اب ٹھیک ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مرحومہ سے ان کی دینداری، صلاح و تقویٰ اور معذوری و بے چارگی کی وجہ سے بے حد محبت تھی، رو رو کر فرماتے تھے کہ: اس دینی مدرسہ کے لئے ہم نے اپنی عزیزہ لختِ جگر کو بھی قربان کردیا، اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرمائیں، اور جس عظیم مقصد کے لئے ہم نے اپنے آپ کو، اہل و عیال کو قربان کیا ہے، اپنی

رحمت سے اس مقصد میں ہمیں کامیاب فرمائیں۔

بہر حال استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ، چونکہ گھر سے خوش حال اور زمیندار تھے، اس لئے بلا معاوضہ چار ماہ تک کام کرتے رہے‘ اس کے بعد فصل کی کٹائی کا زمانہ آ گیا اور انہوں نے ایک ماہ کے لئے گھر جانے کی اجازت مانگی‘ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ہنس کر فرمایا کہ: میں نے خواب دیکھا ہے کہ مدرسین کے لئے کچھ رقم میرے پاس آ گئی ہے، ذرا انتظار کرو۔ مولانا لطف اللہ صاحب نے ہنس کر فرمایا: جی ہاں! بلی کو خواب میں چھچھڑے ہی نظر آتے ہیں‘ ایک گھنٹہ کے بعد حضرت مسکراتے ہوئے واپس تشریف لائے‘ اور فرمایا: مولوی صاحب چھچھڑے آ گئے ہیں۔

مولانا لطف اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی شخص (غالباً حاجی وجیہ الدین مرحوم) نے مدرسہ کو چھ سو روپیہ چندہ بھیجا تھا‘ یہ مدرسہ کے مدرسین کے فنڈ میں پہلا چندہ تھا‘ اس میں سے دو سو روپے مجھے بھی دیئے اور میں چھٹی پر گھر گیا اور چھٹی کے بعد واپس آ گیا‘ بہر حال سال کے آخر تک مدرسہ کی مالی حالت اچھی ہوگئی۔

بے مثل للّٰہیت

اخلاص وللّٰہیت میں حضرت رحمہ اللہ کی شان عجیب تھی‘ وہ کام خود کرتے تھے‘ مگر نام کے لئے ہمیشہ دوسروں کو آگے رکھتے‘ چنانچہ مدرسہ کے لئے تمام تر جدوجہد اور مشکلات کا مقابلہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس خود کرتے تھے‘ مگر اس کے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو (جو کہ جناب سید جمیل صاحب موجودہ سیکریٹری انجمن جامع مسجد نیوٹاؤن کے والد ماجد تھے اور سرتاپا پیکرِ اخلاص اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھے) مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا مہتمم بنایا۔ اور حاجی محمد یعقوب کالیہ مرحوم کو (جو انتہائی دیندار اور خاص کر طلبہ علومِ دینیہ کی بے حد قدر کرتے تھے) مدرسہ کا خزانچی مقرر کیا اور ایسے ہی دو چار دیندار حضرات کو ممبر بنا کر مدرسہ کی ایک مجلس منتظمہ قائم کردی‘ اس کے باوجود مدرسہ کے اندرونی معاملات میں کسی کو دخیل ہونے کا موقعہ کبھی نہیں دیتے تھے‘ اور فرمایا کرتے تھے کہ: مدرسہ اور درس وتدریس کے امور صرف علماء راسخین سمجھتے ہیں، غیر عالم ان باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

حضرت مولانا کی مجلس شوریٰ

مدرسہ کا کوئی بھی کام مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے‘ مگر مشورہ اکابر اہلِ علم اور اربابِ باطن خصوصاً مدرسہ کے اہلِ رائے اساتذہ اور اپنے مخلص معاونین سے کیا کرتے تھے‘ خواہ مدرسہ کے انتظامی امور ہوں یا کسی مدرس کا عزل ونصب ہو یا طلبہ کے معاملات، کتابوں کا مسئلہ ہو یا کتب خانہ کا، طلبہ کی ضروریات ووظائف کا معاملہ ہو، یا

کسی ملازم کی شکایت کا' الغرض مدرسہ کا کوئی چھوٹا، بڑا مسئلہ، کسی شعبہ سے متعلق ہو، اسے اپنی ذاتی رائے سے طے نہیں فرماتے تھے' بلکہ اساتذہ و اہلِ رائے سے مشورہ اور اللہ تعالیٰ سے استشارہ اور استخارہ کے بعد طے فرمایا کرتے تھے' جیسا کہ مدرسہ کے خصوصی رجسٹر سے ان کا بین ثبوت ملتا ہے' جس میں مدرسہ کے طے شدہ امور پابندی کے ساتھ درج ہوتے تھے۔

بے مثل استغناء

جہاں خلوص اور للّٰہیت میں اتنا بلند مقام تھا' وہاں استغناء اور غیرت کی شان بھی نرالی تھی' اس سلسلہ میں یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حرمین شریفین کے استخاروں کے بعد جب ٹنڈو الہ یار سے تعلق منقطع کرلیا اور ابھی تک نئے مدرسہ کے بارے میں فکرمند تھے کہ جناب سیٹھی محمد یوسف مرحوم نے عرض کیا کہ آپ مدرسہ بنائیے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری کو بھی بلا لیجئے۔ میں آپ دونوں حضرات کی پانچ سال کے لئے مشاہرہ کی رقم پچاس ہزار روپیہ بینک میں جمع کرا دیتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انکار فرمادیا کہ: میں چند وجوہ کی بناء پر مدرسہ شروع ہونے سے قبل کوئی امداد قبول کرنے سے معذور ہوں' ہاں مدرسہ بن جائے تو جو امداد فرمائیں گے شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ مرحوم جانتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ بنانے کی فکر میں ہیں اور دوسری طرف بے سروسامانی کا دور دورہ ہے' قرض سے گھر کا گزارہ چلا رہے ہیں' اس لئے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد اصرار کیا' مگر ان کے اصرار پر حضرت کے انکار میں بھی ترقی ہوگئی تھی' بالآخر مرحوم نے اپنے ساتھی سے پنجابی میں کہا۔ ''سن دائیں یعنی مولانا میری بات سنتے نہیں۔'' حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے مدرسہ کا آغاز توکل علی اللہ کے بجائے توکل علی الاغیار سے ہو۔

مالیاتی نظام میں حیرت انگیز احتیاط

مدرسہ میں آنے والی رقوم اور ان کے خرچ کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی احتیاط کوشی جس کی نظیر اس زمانے میں کسی بڑے یا چھوٹے مدرسہ یا دینی ادارہ میں نہیں ملتی۔ حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ مرحوم خازن مدرسہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ہدایت دی تھی کہ بنیادی طور پر مدرسہ کے دو فنڈ اور بینک میں دو علیحدہ علیحدہ اکاؤنٹ ہونے چاہئیں۔ ایک زکوٰۃ فنڈ، دوسرا غیر زکوٰۃ کا امدادی فنڈ اور دونوں فنڈ ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ اس طرح رکھے جائیں کہ خلط ہونے کا امکان باقی نہ رہے اور دونوں قسم کی رقوم حسبِ ذیل طریقے پر خرچ کی جائیں۔

غیر زکوٰۃ فنڈ جس میں زکوٰۃ کے علاوہ صدقۂ فطر، نذر، کفارات اور دیگر صدقات واجبہ کی رقمیں بھی جمع کی جاتیں' اس فنڈ کے متعلق تو یہ ہدایت تھی کہ زکوٰۃ کا روپیہ صرف مستحق طلبہ کو خورد ونوش اور عام ضروریات کے لئے مقررہ مقدار میں وظیفہ کے نام سے نقد دست بدست دیا جائے' طلبہ مدرسہ سے ماہوار وظیفہ لے کر خوراک کی مقررہ قیمت مطبخ کے منتظم کے پاس جمع کرادیں' مدرسہ صرف اس کی نگرانی کرے' اس کے علاوہ اس فنڈ سے طلبہ کی دوسری ضروریات، پوشاک یا موسم سرما میں لحاف اور دوا علاج وغیرہ کا انتظام کیا جائے۔

دوسری مدٔ امدادی رقوم صرف اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں یا درسی ضروری کتابیں خریدنے پر خرچ کی جائیں اور اس میں بھی آپ کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس سے تعمیر، غیر درسی کتب، بجلی کے پنکھے وغیرہ عمومی ضروریات پر خرچ نہیں فرماتے، بلکہ تعمیرات اور عمومی ضروریات مدرسہ کے لئے صرف اسی ضرورت کے نام سے جو رقوم آتیں' وہ ان میں صرف کی جاتیں۔

اس طرح طلبہ کی مد میں اگر کمی آئے تو بقدر گنجائش اساتذہ کرام کی مد سے پوری کی جاسکتی ہے، لیکن اگر اساتذہ کرم کی مد میں کمی آئے تو طلبہ کی مد سے ہرگز پوری نہ کی جائے گی' ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ اپنے خزانہ غیب سے ہماری ضروریات پورا کرنے کے لئے رقوم بھیج دے' اس سلسلہ میں مذکورہ ذیل چند واقعات جو مدرسہ کی چوبیس سالہ تاریخ میں پیش آئے ہیں' قابل ذکر ہیں:

۱:......آغازِ مدرسہ کے دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوٰۃ فنڈ میں قابل اطمینان ہوگئی' ایک مرتبہ زکوٰۃ فنڈ میں پچیس ہزار روپیہ جمع تھا' مگر غیر زکوٰۃ فنڈ خالی تھا' جب تنخواہیں دینے کا وقت آیا تو خازن مدرسہ نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ مدرسین کی تنخواہوں کے لئے کچھ نہیں ہے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فنڈ میں سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہیں ادا کردی جائیں۔

آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اور فرمایا: اس قرض کی ادائیگی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ موت زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں' اگر اس حالت میں موت آگئی تو یہ قرض کون ادا کرے گا؟ میں مدرسین کی آسائش کے لئے دوزخ کا ایندھن نہیں بننا چاہتا' مدرسین کو صبر کرنا چاہئے اور دعا کرنی چاہئے کہ ان کے فنڈ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ بھیج دے اور جو صبر نہیں کرسکتا' اس کو اختیار ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے۔

۲:......اس سے قبل ایک موقعہ پر غلطی سے زکوٰۃ کی رقم سے خازن موصوف نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں لائے بغیر کچھ رقم قرض لے کر مشاہرات میں لگادی' حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو انتہائی غصہ اور جلال میں آکر خازن سے فرمایا کہ: اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ آپ کو جہنم میں جانا پڑے گا اور جلد از جلد اس غلطی کی تلافی اور تدارک کا حکم فرمایا اور فرمایا: جب تک یہ رقم ادا نہ کردی جائے' اس وقت تک

میں تنخواہ نہیں لوں گا۔

چنانچہ الحمدللہ! جلد ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ قرض ادا ہوگیا اور آئندہ ماہ وقت پر تنخواہیں تقسیم ہوئیں۔

۳:......اس ابتدائی دور میں ایک بار ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ مدرسہ کے خزانہ میں مشاہرات کی مد میں کچھ نہیں تھا، مگر زکوٰۃ فنڈ میں رقم موجود تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ: جب تک مشاہرہ کی مد میں رقم نہ آئے گی مدرسین کو تنخواہ نہیں ملے گی۔ جناب حاجی محمد صدیق صاحب میمن صدر انجمن جامع مسجد نیو ٹاؤن بھی اس مجلس میں موجود تھے، وہ بولے: مولانا! کیا زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں۔ پھر فرمایا کہ: کیا زکوٰۃ سے تم اپنے ملازموں کو تنخواہ دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر مدرسہ کے ملازمین کی تنخواہ زکوٰۃ سے کیسے دی جاسکتی ہے؟ یہ سن کر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پانچ ہزار روپے کی رقم لاکر خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ: یہ زکوٰۃ کے پیسے نہیں ہیں، آپ تنخواہ دے دیجئے۔

مالِ زکوٰۃ کے متعلق حضرت کا نظریہ

جب کوئی صاحبِ خیر زکوٰۃ دینے کو آتا تو حضرت مولانا نے اس پر کبھی خوشی کا اظہار نہیں کیا اور فرمایا کہ: زکوٰۃ تو وہ غسالہ مال ہے جس پر اگلی امتوں میں آسمان سے آگ اترتی تھی اور جلا ڈالتی تھی، میرے مدرسہ کے مدرسین کے لئے غیر زکوٰۃ اگر کچھ دے سکتے ہو تو دو۔ اسی لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ غیر زکوٰۃ کی رقم دینے والوں کی خواہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، قدر فرماتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے مزاج شناس مخلص اربابِ اموال ہمیشہ جتنی رقم زکوٰۃ کی پیش کرتے اتنی ہی رقم غیر زکوٰۃ بھی پیش کرتے۔

عموماً زکوٰۃ کی رقم ایک سال کے مصارف زکوٰۃ سے زیادہ زکوٰۃ فنڈ میں جمع نہ ہونے دیتے، اگر سال بھر کے مصارفِ زکوٰۃ کے بقدر ضرورت موجود ہوتے تو عموماً واپس کردیتے اور دینے والے اصرار کرتے اور کہتے: آپ لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیجئے۔ تو حضرت فرماتے کہ یہ کام تم خود کرو، مجھے کیوں درمیان میں ڈالتے ہو، اور کبھی لے کر کسی ایسے مدرسہ کو دے دیتے جن کے اربابِ اہتمام کے متعلق آپ کو ذاتی طور پر علم ہوتا کہ وہ زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے میں احتیاط برتتے ہیں۔ اس طرح متعدد مدرسوں کو آپ کے واسطہ سے ہزاروں روپے بمد زکوٰۃ ہر سال پہنچتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کی پوری تاریخ میں کبھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حیلہ تملیک نہیں فرمایا، حالانکہ فقہی اعتبار سے اگرچہ صحیح حیلہ تملیک کے جواز میں کوئی شک نہیں، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق ہمیشہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ اس لئے یوم تاسیس سے لے کر یوم وفات تک ایک مرتبہ بھی آپ نے زکوٰۃ کی رقم

حیلہ تملیک کے ذریعہ غیرزکوٰۃ کی مد میں صرف نہیں کی۔

فرمایا کرتے تھے کہ: زکوٰۃ کی رقم صرف زکوٰۃ کے مصارف میں ہی خرچ ہونی چاہئے۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ غیرزکوٰۃ کے مصارف کے لئے عطیات اور غیرزکوٰۃ کی امدادی رقوم آنی ضروری ہیں۔ اس اصول پر کاربند رہنا آسان کام نہ تھا، خصوصاً ابتدائی دور میں، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی متوکل اور اولوالعزم ہستی نے روزِاول سے لے کر آخر تک اس اصول کو اپنائے رکھا اور کبھی اس سے انحراف نہیں فرمایا۔ نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ: مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے اساتذہ اور ملازمین کو اللہ تعالیٰ کے اس احسان وانعام کی قدر کرنی چاہئے کہ ان کو حق الخدمت کے عوض میں غیرزکوٰۃ کا پاکیزہ مال ملتا ہے، وہ بھی ایسے مخلصین کی طرف سے جو اپنا نام تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے اور لاتعلم شماله ماتنفق یمینه کا مصداق ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص اور توکل علی اللہ کی برکت سے اللہ پاک اپنے خزانہ غیب سے مدرسہ کی امداد فرماتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی امداد کا جذبہ اور شوق پیدا فرمادیتے تھے اور آپ سے آپ احباب ومخلصین نہایت اخلاص وذوق وشوق کے ساتھ پوشیدہ طور پر نام ونمود اور شہرت کی خواہش کے بغیر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر عطیات پیش کرتے تھے، اور بتاکید عرض کرتے تھے کہ ہمارا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے تھے جو کہ اس سے پہلے مولانا کو جانتے بھی نہ تھے، مگر خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے تھے کہ ہمیں خواب میں یہ حکم ملا ہے کہ جاؤ! مدرسہ کی امداد کرو اور جو رقم لاتے تھے پیش کردیتے اور ایسے خواب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وعقیدت کا سبب بنے اور اس کے بعد بڑی بڑی رقمیں مدرسہ کی امداد کے لئے پیش کیں اور نام تک ظاہر کرنے کو گوارہ نہیں کیا۔

اس کے برعکس بسا اوقات بعض احباب نے مدرسہ کی مالی امداد کی اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ غالباً اپنے نورِبصیرت سے سمجھ گئے کہ یہ مدح وثناء کے منتظر ہیں تو آپ نے فرمایا کہ: ہم پر کوئی احسان نہیں کیا، بلکہ خود تمہیں ہمارا ممنون ہونا چاہئے کہ صحیح مصرف میں تمہاری رقم صرف کررہے ہیں اور زکوٰۃ دینے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ: ہم یہ ہرگز گوارہ نہیں کرتے کہ تم تو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرکے جنت میں جاؤ اور ہم مال کے بے محل خرچ کرکے جہنم میں جائیں، بلکہ ہم تو تمہاری دی ہوئی رقم کو اس کے صحیح مصرف میں جلد از جلد خرچ کرکے تم سے پہلے جنت میں جانا چاہتے ہیں۔ باوجودیکہ مدرسہ کی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا، مگر حضرت کے حسنِ عمل اور اخلاص کی برکت سے ابتدائی ایک دو برس کے علاوہ کبھی بھی کسی شعبہ میں تنگی پیش نہیں آئی، اللہ پاک نے غیب کے خزانے آپ کے لئے کھول دیئے تھے، مدرسہ کے مختلف شعبوں، خاص کر تعمیرات پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے رہتے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ غیر ملکی طلباء کی ضروریات کے پیش نظر فوری طور پر وسطانی حصہ کی دوسری منزل کے دار الاقامہ کا مسئلہ درپیش تھا اور تعمیری فنڈ میں رقم موجود نہ تھی اور لاگت کا تخمینہ پونے تین لاکھ تھا' اسی دوران حضرت مولانا کے احباب میں ایک صاحب حاضرِ خدمت ہوئے اور ان کے ساتھ ایک اور اجنبی صاحب بھی تھے' باتوں باتوں میں تذکرہ ہوا۔ دوسرے روز وہ اجنبی صاحب صبح صبح دولت کدہ پر تشریف لاتے ہیں، دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ بھائی خالد احمد بنوری دروازہ پر جاکر دیکھتے ہیں اور آکر بتاتے ہیں کہ ایک غریب قسم کا آدمی کھڑا ہے اور ملنا چاہتا ہے' حضرت مولانا نے اندر آنے کے لئے فرمایا' تو ان صاحب نے پتلون کی جیب میں سے نکال کر پینسٹھ ہزار روپیہ تعمیری فنڈ میں دیا اور دوسرے دن مزید رقم لانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ دوسرے روز سوا دو لاکھ کی رقم خدمت میں پیش کی اور اس طرح دار الاقامہ کی تعمیر کی فوری ضرورت اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی' اس کے بعد تو ان صاحب کو حضرت مولانا کے ساتھ ایسی والہانہ عقیدت پیدا ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ: ہمیں دو باتوں پر کامل یقین ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔ ایک تو یہ کہ مال و دولت کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور دوسرا یہ کہ اولادِ آدم کے قلوب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں' اگر ہم اخلاص کے ساتھ صحیح کام کریں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے قلوب خود بخود ہماری طرف متوجہ کر کے اپنے خزانوں سے ہماری مدد کرے گا' ہمیں کسی انسان کی خوشامد کی ضرورت نہیں ہے' لہذا جو ضرورت ہمیں پیش آتی ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے کہتے اور مانگتے ہیں، وہ ایسی جگہ سے ہماری ضرورت کو پورا کرتا ہے، جہاں ہمارا گمان بھی نہیں ہوتا۔ پھر ہم کیوں کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلائیں یا خوشامد کریں۔ اسی تعلق مع اللہ کے غلبہ کی بناء پر فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے تو سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات بے انتہاء پسند ہیں اور اسی پر میرا عمل ہے: **اسمعت من ناجیت۔**

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے پچھلی رات میں اٹھ کر اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حالتِ عبادت کا جائزہ لیا' سیدنا حضرت صدیق اکبر، سیدنا حضرت فاروق اعظم اور سیدنا حضرت بلال وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عبادت کرتے دیکھا' ہر ایک کی شانِ عبادت دوسرے سے مختلف تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ نماز میں نہایت آہستہ آواز میں قرآنِ کریم پڑھ رہے ہیں' صبح کو صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ: آپ آہستہ آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: **اسمعت من ناجیت** ۔ جس سے سرگوشی کر رہا تھا اسی کو سنا رہا تھا۔ تو ہمارے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ: جس کے لئے ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں' اسی کو ہم اپنا حال سناتے ہیں اور اسی سے ہم مانگتے ہیں' کسی اور سے ہمیں کیا واسطہ۔ یہی نصرت خداوندی پر پختہ یقین واعتماد اور شہرت سے بیزاری اور نفرت اس کا باعث بنی کہ

موصوف نے زمانے میں شہرت اور پروپیگنڈے کے جتنے وسائل ہیں' اس سے نہ صرف احتراز فرمایا بلکہ ان کو روحِ اخلاص اور للّٰہیت کے قطعی منافی سمجھا۔

چنانچہ کبھی فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی اور تقسیم اسناد کے نام سے اور نہ بخاری شریف کے ختم کے نام سے کبھی کوئی سالانہ، نہ غیر سالانہ جلسہ کیا' اور نہ ہی کوئی مدرسہ کی روئیداد یا چندہ دہندگان کی فہرست شائع کی اور نہ کوئی اشتہار، نہ چندہ کی اپیل شائع کی، نہ کوئی مدرسہ کا سفیر یا محصل مقرر کیا۔ یہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی وہ حیرت انگیز خصوصیت ہے کہ جس کو اس یادگار نمبر کے بیشتر مقالہ نگاروں نے خصوصی طور پر سراہا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: ہم نے جس کے لئے مدرسہ قائم کیا ہے اس کو سب کچھ معلوم ہے' وہ خود ہی جب اور جس طرح چاہے گا اسباب و وسائل پیدا فرمادے گا۔ نیز فرماتے تھے کہ: ہم تو صرف صحیح کام کرنے کے ہی مکلّف ہیں اگر صحیح طریق پر مدرسہ نہ چلا سکیں گے تو بند کردیں گے' ہم کوئی دین کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ صحیح یا غیر صحیح، جائز یا ناجائز جس طرح بھی ممکن ہو' مدرسہ جاری رکھیں۔ ہم تو غیر صحیح اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی بہ نسبت مدرسہ کو بند کردینا بہتر بلکہ آخرت کی مسئولیت کے اعتبار سے ضروری سمجھتے ہیں۔

صبر آزما اصول' انتہائی ورع اور احتیاط

مُدرسہ کے مالیاتی نظام میں مصارف کے اصول تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ غیر زکوٰۃ کی تمام رقوم بھی صرف اساتذہ اور ملازمین کی تنخواہوں اور اہم درسی ضروریات میں صرف ہوں گی' اس کے علاوہ ہر مد کے لئے جب تک اسی کے نام سے رقم نہ آئے گی' اس پر خرچ نہ ہوگی' اسی لئے عام آسائش کا سامان مثلاً: درس گاہوں میں بجلی کے پنکھے، باہر بیٹھنے کے لئے کرسیاں، صوفے، فرش پر بچھانے کے لئے قالین وغیرہ بھی عام عطیات کی مد سے نہیں خریدے گئے، جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا ہے۔

ابتدائی دور میں عصر کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اساتذہ واحباب ملاقات کے لئے آتے تو آپ کے ہمراہ باہر چارپائیوں پر ہی بیٹھتے تھے' بسا اوقات چارپائیاں ناکافی ہوتیں' یہ صورتحال دیکھ کر ایک صاحبِ خیر نے دو تین بنچیں مدرسہ کے لئے بنوائیں' اسی زمانہ میں واقعہ یہ ہوا کہ حکومت کویت نے عربی زبان سکھانے کے لئے اس علاقہ میں ایک عربی اسکول قائم کیا تھا' بعد میں اس عربی مدرسہ کو چنداں مفید و مثمر نہ ہونے کے باعث بند کردیا گیا' اسکول کے اربابِ اہتمام اور حکومتِ کویت کے نمائندوں کے سامنے اس اسکول کا سامان یعنی ڈیسکوں، صوفوں، کرسیوں اور پنکھوں وغیرہ کا مسئلہ درپیش تھا۔ اسی شش و پنج میں وہ حضرات' حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے مدرسہ میں تشریف لائے' مدرسہ دیکھا، بہت خوش ہوئے۔ ایک

حجرہ میں جہاں آپ تشریف فرما تھے ان حضرات سے ملاقات کی اور انہی بنچوں پر ان کو بٹھایا۔

گرمی کا زمانہ تھا، حجرہ میں پنکھا بھی نہ تھا' ان حضرات نے مدرسہ کی کارکردگی اور مستقبل میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے عزائم سن کر بے ساختہ بند شدہ اسکول کے سامان کو مدرسہ کے لئے دینے کی پیشکش کی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو غیبی امداد سمجھ کر قبول فرمایا اور اس طرح مدرسہ کو کثیر تعداد میں کرسیاں، ڈیسک، درسگاہوں کے لئے بجلی کے پنکھے، دفتر کے لئے صوفے' اللہ پاک نے پہنچا دیئے' یہ پہلا سامانِ آسائش ورفاہیت تھا جو مدرسہ کو میسر آیا' اس کے بعد یہ دروازہ کھل گیا اور حضرت مولانا کے خوشحال احباب آتے اور جس چیز کی کمی کو محسوس کرتے' اسی کو مہیا کر دیتے۔ اسی طرح کتب خانہ اور دارالتصنیف کی تمام قیمتی اور شاندار الماریاں، پنکھے اور دارالحدیث کے عظیم الشان ہال کا فرش، بجلی کے پنکھے اللہ پاک نے مدرسہ کو عطا فرمائے۔

اسی صورتحال کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ دفتر مدرسہ میں پنکھے نہ لگے تھے' گرمی کا موسم تھا' ایک دن دفتر میں آپ تشریف فرما تھے' حاجی یعقوب صاحب مرحوم مدرسہ کے خازن بھی کسی کام سے آئے' یہ دیکھ کر کہ دفتر میں پنکھا نہیں' کہنے لگے کہ: غیر زکوٰۃ فنڈ سے دفتر کے لئے بھی ایک پنکھا خرید لیا جائے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حاجی صاحب نصف رقم میں اپنی جیب سے دیتا ہوں اور نصف آپ دیں، دفتر کے لئے پنکھا آجائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ ہمارے اصول کے مطابق اسی نام سے جب تک رقم نہ آئے' پنکھا نہیں آسکتا۔ اتفاق سے اس وقت مولانا کے ایک مخلص دوست بھی موجود تھے' انہوں نے موقع دیکھ کر عرض کیا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے کی اجازت دیجئے کہ پنکھا دفتر کے لئے خرید لاؤں' اس طرح کے صدہا واقعات ہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے واقف احباب خود آکر مختلف ضروریات کے نہ ہونے کا احساس کرتے اور اسے مہیا کرتے اور اس کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے۔

ایک اور عجیب وغریب اصول یہ بھی تھا کہ مدرسہ کے مالیاتی فنڈ میں مہمانوں کے لئے کوئی کھاتا نہ تھا' مہمانوں کے مصارف حضرت خود ادا فرماتے اور اسی طرح ڈاک کا خرچہ بھی کبھی مدرسہ سے نہیں لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ: ہم نے یہ سب راستے بند کر دیئے ہیں۔ اسی طرح متفرقات اور کرایہ آمدورفت کی بھی کوئی مد نہ تھی' مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا ایک پیسہ بھی ان مدات میں خرچ نہیں ہوتا تھا' بلکہ ان ناموں سے مدرسہ میں کوئی مد ہی نہیں۔ کرایہ آمدورفت کی سبیل یہ نکال رکھی تھی کہ جب بھی مدرسہ کی کسی ضرورت سے کہیں جانا ہوتا تو اپنا کوئی نہ کوئی ذاتی کام اسی کے ذیل میں نکال لیتے اور اپنے کام کو اصلی اور مدرسہ کے کام کو ضمنی بنا کر اپنی جیب خاص سے کرایہ ادا کرتے' اسی لئے حضرت والا نے مدرسہ کی کوئی کار نہیں خریدی کہ کار کی قیمت، پٹرول کی قیمت، ڈرائیور کی تنخواہ

وغیرہ کا بار مدرسہ پر پڑے گا اور اپنے یا دوسروں کے استعمال میں بے احتیاط ہونا ناگزیر ہے، اس سے بچنا ناممکن ہے، حالانکہ اگر حضرت علیہ الرحمۃ چاہتے تو ایک اشارہ پر بیسیوں گاڑیاں مدرسے کے لئے مفت مل سکتی تھیں۔

بعض مخلصین نے مدرسہ کے لئے گاڑی دینے کی پیشکش کی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے منظور نہیں فرمایا، بسااوقات بعض حضرات اصرار کرتے اور مختلف عنوانات سے اس کی ضرورت اور اہمیت ثابت کرتے تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہنس کر فرماتے: یہ جتنی ٹیکسیاں بازاروں میں چل رہی ہیں اور ہر وقت مہیا ہیں، ہماری ہی تو ہیں، جب چاہو بلالو، ٹیکسی حاضر ہے، پھر ہمیں مدرسہ کے لئے گاڑی خرید کر آخرت کی مسئولیت اپنے ذمہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز فرمایا کرتے تھے کہ: ہم تو چاہتے ہیں کہ گاڑی بھی مفت اور ڈرائیور بھی مفت ملے۔

چنانچہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی اس خواہش کو بھی پورا فرمادیا تھا کہ بعض مخلصین ضرورت کے وقت اپنی گاڑی لاکر خود ڈرائیوری کے فرائض انجام دیتے اور حضرت کی اس خدمت کو اپنے لئے انتہائی سعادت محسوس کیا کرتے تھے۔

اعلیٰ ظرفی، بے نفسی اور ایثار و اخفاء کے بے نظیر واقعات

ویسے تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص، علو ظرف اور ایثار وغیرہ، آپ کے ان مناقب عالیہ میں سے ہیں، جن کا نہ صرف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی چوبیس سالہ تاریخ کے ایک ایک واقعہ سے اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس یادگار نمبر کے تقریباً ہر مقالہ نگار کے مقالہ میں یہ درخشاں صفات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں، تاہم چند ایسے بے نظیر واقعات ہیں جن کے اظہار نہ کرنے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حق تلفی کہا جاسکتا ہے:

ا:...... مدرسہ عربیہ کی نیوٹاؤن میں بنیاد رکھنے اور کام شروع کرنے کے بعد پہلا سال انتہائی بے سروسامانی، کسمپرسی اور تہی دستی کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں آپ جس قدر فکرمند رہے اور جو جو مشقتیں آپ نے برداشت کیں، ان کا حال آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں، مگر اس کے باوجود ایثار اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ الف سے یا تک مدرسہ کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے، مگر مدرسہ کا مہتمم بناتے ہیں حضرت حاجی محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو۔ صرف ان کی پاک دامنی، نیک نیتی اور للّٰہیت کی وجہ سے اور اپنی کارکردگی کو چھپانے کی غرض سے، ورنہ اندر باہر کے سب لوگ جانتے تھے کہ مہتمم درحقیقت حضرت مولانا خود ہیں۔

۲:...... قیامِ مدرسہ کے دوسرے سال جب مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف بھی شروع ہوجاتا ہے اور اساتذہ کا اضافہ ناگزیر ہوجاتا ہے تو اپنے ذی علم مخلص دوستوں میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کو مدرسہ میں بلاتے ہیں تو انہی کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث بناتے ہیں اور بخاری شریف پڑھانے کو دیتے ہیں۔

حالانکہ اس زمانہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری شریف کی شہرت تھی اور تمام اہلِ علم اس کا اعتراف کرتے تھے‘ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص اور تواضع کی اعلیٰ مثال ہے۔

۳:...... جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی للّٰہیت ،خلوص اور نیک نیتی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مدرسہ کو ظاہری ، باطنی اور مادی ومعنوی خوبیوں کے لحاظ سے انتہائی بامِ عروج اور اوجِ ترقی پر پہنچا دیا اور یہ مدرسہ نہ صرف پاکستان‘ بلکہ تمام عالمِ اسلام کی دنیائے علم وفضل میں بے نظیر جامعہ اور عظیم معہد علمی کی حیثیت سے منظر عام پر آ گیا تو بعض شہرت پسند اور جاہ پرست لوگوں نے چاہا کہ اس عظیم دینی ادارہ کی ترقی کو اور بامِ عروج تک پہنچانے کو اپنے کھاتا میں کیوں نہ ڈالیں۔

لیکن حق تعالیٰ نے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو اس قدر عظیم حوصلہ اور اعلیٰ ظرف عطا فرمایا تھا اور شہرت ونام ونمود سے کس قدر متنفر بنایا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ کے سامنے اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوا تو کس قدر سکون واطمینان سے فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی اپنی طرف نسبت کرنے سے خوش ہوتا ہے تو کرنے دو، ہم نے جو کچھ کیا ہے‘ اللہ کے لئے کیا ہے۔“

سبحان اللہ! کس قدر عظیم ہے‘ یہ بے نفسی۔ اور کس قدر عظیم ہے یہ عالی ظرفی‘ اور کس قدر عظیم یہ خلوص کہ شہرت ونام ونمود کے شائبہ سے بھی پاک ہے اور کس قدر عظیم ہے یہ للّٰہیت اور تعلق مع اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کو مہتمم یا صدر مدرس یا شیخ الحدیث کہا یا لکھا جائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: واللہ! میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں۔ جلال میں آ کر فرماتے: اس تصور پر لعنت۔ پھر فرماتے کہ: اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے کا کام اپنے ذمہ لے۔ لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خادم کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کروں گا۔

مدرسہ کے اساتذہ اور ملازمین کے ساتھ تعلق اور برتاؤ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے جملہ متعلقین سے برادرانہ تعلق رکھتے تھے اور تواضع وانکساری کی وجہ سے بھائیوں جیسا سلوک فرماتے تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے بڑے کا سوال ختم کر دیا تھا۔ جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ مشورہ کے لئے جو اجلاس ہوتے تھے ان میں چھوٹے اساتذہ کرام کی رائے کو بھی وقعت دیتے تھے‘ مدرسہ کے بیشتر اساتذہ کو حضرت سے شرف تلمذ بھی حاصل رہا تھا‘ اس کے باوجود بارہا ایسا ہوا ہے کہ

حضرت مولانا نے اپنی رائے کو بعض اساتذہ کی رائے کے مقابلہ میں چھوڑ دیا۔ حضرت مولانا کی بے پناہ شفقتوں نے مجھ جیسے ناکارہ کو بھی اس قدر گستاخ بنا دیا تھا کہ مجالس میں حضرت مولانا جیسی عظیم ذات والا صفات کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت کرتا، لیکن محاسنِ اخلاق کے اس پیکر نے کبھی محسوس تک بھی نہ فرمایا، بسا اوقات وقتی طور پر غصہ بھی فرمایا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد غصہ زائل ہوا اور خلافِ رائے جسارت کو شرف قبولیت بھی بخشا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالِ تقویٰ اور تعلق مع اللہ کا اثر تھا کہ مدرسہ کی پوری تاریخ میں اساتذہ کرام اور مدرسہ کے متعلقین میں باہمی الفت ومحبت اور یگانگت کارفرما رہی اور آپس کے تنافس وتباغض کی لعنت سے اساتذہ وملازمین کوسوں دور رہے، اور حضرت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی یہی صورتحال ہے، حضرت مولانا کے ساتھ حضرت کے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے اساتذہ کو عشق کے درجہ تک محبت تھی۔ اسی لئے حضرت کے وصال کے بعد سب نے متفق ہوکر یہ عہد کیا ہے کہ آپ کے لگائے ہوئے باغ کی خدمت جس طرح آپ کی حیات میں کرتے تھے، اب بھی کریں گے اور جن اصولوں کے مطابق مدرسہ کا نظام چلتا تھا، ان ہی اصولوں کے تحت کام کرتے رہیں گے۔

حضرت مولانا مدرسہ کے لئے تمام اساتذہ و متعلقین کے ساتھ ایسا سلوک اور برتاؤ کرتے کہ کبھی کسی استاذ کو یہ محسوس تک نہ ہوتا کہ وہ ملازم ہے یا کسی کے ماتحت ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: ہم سب کی مثال مشین کے پرزوں کی ہے جس میں چھوٹے بڑے پرزے سب ہی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اور فرماتے تھے کہ: ہم سب ایک کشتی کے مسافر ہیں اور اس کشتی کو کنارے تک پہنچانا ہم سب کا فرض ہے۔

طلبہ کی تربیت کی اہمیت

مدرسہ کے مختلف شعبوں کا تفصیلی ذکر کرنے سے قبل اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت پر بہت زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: اساتذہ کرام جس طرح کتاب پڑھانے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں، اسی طرح طلبہ کی صحیح تربیت کی طرف بھی ان کو توجہ کرنا ضروری ہے اور درس میں اخلاقی وعملی حالت سنوارنے کے بارے میں بیان کرتے رہنا چاہئے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ: اصل چیز عمل و اخلاق ہیں، اس کے بغیر علم بے کار ہے۔

نیز فرمایا کرتے تھے کہ: ایک غبی دیندار طالب علم برداشت کیا جاسکتا ہے، مگر ذکی بے دین ہرگز

برداشت کے قابل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ کی اخلاقی حالت سنوارنے اور عملی زندگی درست کرنے کے لئے سخت قوانین بنائے گئے اور ان پر سختی سے عملدرآمد کرایا جاتا ہے۔

نماز باجماعت کا بہت ہی اہتمام کرایا جاتا ہے' صبح کی نماز کے لئے اذانِ فجر کے فوراً بعد ناظمینِ دارالاقامہ طلبہ کو نماز کے لئے اٹھاتے ہیں' حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب تک گھٹنوں کی تکلیف نہ تھی اور سیڑھیوں پر چڑھنے میں دقت نہ ہوتی تھی' تو اکثر و بیشتر خود کمروں میں جاکر طلبہ کو اٹھاتے تھے اور اذان کے بعد جس کو سوتا ہوا پاتے تو سخت غصہ ہوتے اور ایسے طالب علموں کو سخت تنبیہ فرماتے۔

فرماتے تھے کہ: جب صبح نماز کے لئے گھر سے نکلتا ہوں اور وضو خانے اور مسجد میں طلبہ کو زیادہ تعداد میں دیکھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے' لیکن اگر کبھی اس کے برعکس دیکھتا ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے اور **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھتا ہوں اور معذوری کے باوجود جی چاہتا ہے کہ کمروں میں جاکر سستی کرنے والوں کو خوب ماروں۔

نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ طلبہ پر زور دیتے تھے کہ علم کو حصولِ دنیا کی نیت سے ہرگز نہ پڑھا جائے اور تعلیمی سال کے آغاز میں تمام طلبہ کو جمع کرکے تصحیحِ نیت کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ خطاب فرماتے اور طلبہ سے عہد لیتے اور علمِ دین کے فضائل بیان کرکے فرماتے کہ: جب یہ علومِ نبوت ہیں تو پھر رضائے الٰہی کے لئے حاصل کرو اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ عزم کرو۔ **ان اجری الا علی اللہ**۔ اور جب یہ انبیائے کرام کے علوم ہیں تو اس راستے میں تکلیفوں اور مشقتوں کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔

فرماتے تھے کہ: ہم نے یہ مدرسہ اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا ہے' ہم چاہتے ہیں کہ طلبہ علمِ دین صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کریں اور اگر دنیا کا کوئی مقصد ہے، چاہے وہ سند حاصل کرنا ہو یا کوئی منصب ہو یا شہرت وغیرہ کوئی اور مقصد ہو تو خدا کے لئے وہ طالب علم یہاں سے چلا جائے' اور اگر یہاں رہنا ہے تو دین کا سپاہی بننے کا عزم کرے اور ہاتھ اٹھا کر طلبہ سے اس بات کا عہد لیتے اور فرماتے کہ: ہم تکثیرِ سواد کے خواہش مند نہیں' ہم چاہتے ہیں کہ کام کے آدمی آئیں' اگرچہ کم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ امتحان داخلہ میں ان تمام امور کا لحاظ رکھتے ہوئے کافی سختی کی جاتی ہے اور بے شمار داخلہ کے خواہش مند طلبہ میں سے چند طلبہ کو کامیاب قرار دے کر ان کا داخلہ منظور کیا جاتا ہے۔ آج کل عام طور سے اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کو کوئی ہنر بھی سکھانا چاہئے تاکہ فارغ ہونے کے بعد طلبہ معاشی بدحالی کا شکار نہ ہوں اور تجدد پسند لوگوں کی طرف سے اس کا بڑا چرچا ہوتا ہے کہ علماء کو معاشی اعتبار سے باعزت مقام دیا جائے۔

ایک مرتبہ چیف ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف مسعود صاحب مدرسہ میں تشریف لائے اور اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ طلبہ کو کوئی ہنر بھی سکھایا جانا چاہئے۔

تو اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہم تو اس حصولِ معاش کے تصور ہی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ہم تو چاہتے ہیں کہ طالب علم صرف اللہ تعالیٰ کے دین کا سپاہی بنے‘ اس کے سوا زندگی کا کوئی مقصد اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین واعتماد ہو کہ معاش کی فکر کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرے۔

مدرسہ کے لئے کراچی کا انتخاب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس دینی ادارہ کے قیام سے مقصد صرف علم دین کی تعلیم ہی نہیں تھی‘ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں روز بروز الحاد و بے دینی کے بڑھتے ہوئے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مرکز بنانا بھی پیش نظر تھا‘ چنانچہ مدرسہ سے ان فتنوں کے مقابلہ کے لئے ”بینات“ نامی ایک ماہنامہ بھی جاری کیا تھا جو آپ کی سرپرستی میں آپ کے دم واپسی تک انہی خطوط پر کام کرتا رہا‘ اور آپ کی سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد آپ کی یادگار کے طور پر الحمد للہ! انہی خطوط پر کام کر رہا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔

بہر حال اسی مقصد کے لئے آپ نے مرکز ایسے مرکزی مقام پر قائم فرمایا جہاں سے الحاد و بے دینی کے یہ فتنے پھوٹتے ہیں اور ملک میں پھیلتے ہیں‘ تاکہ ان نو بنو فتنوں سے بروقت آگاہی آسان ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے مرکز کے لئے کراچی سے زیادہ موزوں کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ اس کو ایک بین الاقوامی شہر کی حیثیت حاصل ہے اور اس وقت ملک کا دار الخلافہ بھی تھا۔ راقم الحروف کے والد محترم حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ نے (اس زمانہ میں جب کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی میں ادارہ قائم کرنے کا عزم فرمایا) بارہا لکھا کہ: آپ یہ دینی مرکز ملک کے کسی وسطی شہر لاہور، ملتان، راولپنڈی وغیرہ میں جہاں ہر طرف سے آنے والوں کو آسانی سے پہنچنا ممکن ہے، قائم فرمائیں۔

مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ: کراچی ایک بین الاقوامی جگہ ہے‘ دار الحکومت ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے فتنوں کی آماجگاہ بھی ہے‘ اس لئے کراچی میں بنانے کا خیال ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ”مدرسہ کی سہ سالہ زندگی کا اجمالی خاکہ“ میں بھی اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ”پاکستان کے مرکز کراچی میں جو آئے دن مغربی تہذیب وتمدن کا جو جال پھیلتا جا رہا ہے اور مختلف طاقتیں اس کے دائرہ اثر کو روز بروز وسیع کرنے کی فکر میں مشغول ہیں، اگر دینی حفاظت کے ادارے دینِ اسلام کے متاعِ گراں مایہ کی حفاظت کے لئے جد وجہد نہ کریں‘ تو جو اس کا حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔“ (صفحہ:۳)

مدرسہ کا آغاز جیسا کہ پہلی سطور میں لکھا جاچکا ہے، انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں ہوا تھا۔ چنانچہ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ ''اجمالی خاکہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''بہت غور وخوض کے بعد انہی مقاصدِ دینیہ کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرکے ۳ محرم ۱۳۷۴ھ میں انتہائی بے سروسامانی میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح کیا گیا، نہ رہنے کی جگہ تھی نہ کتابیں تھیں، نہ الماریاں تھیں، نہ تپائی، نہ چٹائی، نہ طلبہ واساتذہ کے لئے آمدنی کا کوئی ذریعہ، نہ مجلس شوریٰ تھی، نہ چندہ جمع کرنے کے لئے کوئی سفیر مقرر کیا گیا تھا' نہ اخبارات یا اشتہارات میں چندہ کی اپیل کی گئی' قرض پر ایک ہزار کی کتابیں خریدی گئیں اور طلبہ کے مصارف کے لئے قرض رقم مہیا کی گئی، لیکن اللہ کا شکر ادا نہیں ہوسکتا......'' (صفحہ:۴)

ادارے کا نام ''جامعۃ العلوم اسلامیہ'' ہے۔ سطور بالا میں جس طرح تفصیل کے ساتھ یہ چیز آگئی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ زمانۂ حال کے پروپیگنڈے کی دنیا سے ہٹ کر خاموشی کے ساتھ دین کی سربلندی کے لئے کام کررہے تھے۔ اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ: اگر ادارے کا نام رکھے بغیر کام چلتا تو قطعاً نام نہ رکھتے' مگر چونکہ یہ ممکن نہ تھا' اس لئے ابتداء میں صرف مدرسہ عربیہ نام رکھا تھا' اتفاق سے یہی نام حکومت کویت کے تعاون سے چلنے والے کراچی کے ایک اسکول (مدرسہ) کا بھی تھا' جس میں عربی زبان سکھائی جاتی تھی اور وہ بھی اسی علاقہ میں واقع تھا' ایک ہی علاقہ میں ایک ہی نام سے دو مدرسوں کے واقع ہونے کی وجہ سے ڈاک اور دیگر امور میں بڑا اشتباہ واقع ہورہا تھا' یہاں کی ڈاک وہاں اور وہاں کی ڈاک یہاں آجاتی تھی' اس لئے اس سردردی سے بچنے کے لئے نام میں ''اسلامیہ'' کا اضافہ کردیا گیا اور پورا نام ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' تجویز ہوا اور بیس سال سے زیادہ عرصہ تک یہی نام رہا' حالانکہ جدید اصطلاح کی روح سے یہ دینی معہد مدرسہ نہیں' بلکہ اس نے ایک عظیم جامعہ (یونیورسٹی) کی شکل اختیار کرلی ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ شیخ الازہر جناب شیخ عبدالحلیم محمود نے مدرسہ میں تشریف آوری کے موقع پر تمام شعبوں خصوصاً تخصصات کی کارکردگی کو ملاحظہ کرکے فرمایا کہ: یہ مدرسہ نہیں' بلکہ ایک عظیم ''جامعہ'' ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بار بار اصرار کے ساتھ درخواست پیش کی گئی کہ نام تبدیل کرلینا چاہئے' مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس پر آمادہ نہ تھے' حالانکہ نام کی وجہ سے ادارے کو بیرونی ممالک میں خصوصیت کے ساتھ نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نام کی تبدیلی کے لئے تیار نہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: اصل چیز کام ہے' نام نہیں' جس کے لئے ہم نے بنایا ہے' وہ سب کچھ جانتا ہے اور لوگ اگر اس مدرسہ کو (پرائمری) سمجھتے ہیں تو کوئی حرج ہے؟

مدرسہ کی مجالس تعلیمی وانتظامی نے ایک مرتبہ بیٹھ کر متفقہ طور پر تبدیلی نام کا فیصلہ کیا اور بہت ہی مشکل سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو منایا اور طویل عرصہ کے بعد ادارے کا نام ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ'' رکھ دیا گیا۔ حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے ''معلومات عن جامعة العلوم الاسلاميه'' کی تقدیم میں تحریر فرمایا ہے:

''ومما هو جدير بالذكر انى كنت اردت ان يكون هذا المعهد بهذه الخصائل، وان كان وهو شبه جامعة علمية، ولايكون مقتصراً على حظ ضيئل من العلم، غيرانى وددت ان تواضع فى تسمية المعهدبان يكون بعيدا من الفخفخة والتبجح فسميته فى البدء ب ''المدرسة العربيه'' ولو كان العمل ممكنًا بغير اسم ماسميته باسم الخ'' (صفحہ:۸)

حضرت مولانا ہی کی تحریروں کی روشنی میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ابتداء میں نہایت ہی بے سروسامانی کا عالم رہا، مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص وتعلق مع اللہ کی برکت سے قلیل عرصہ میں معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری محاسن میں بھی اوجِ کمال تک پہنچا۔ اب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور حضرت مولانا کے غلبۂ اخلاص کی برکت کا نتیجہ ہے کہ آج مدرسہ کی شاندار عمارت موجود ہے، تمام درجات کے لئے درسگاہیں اور اساتذہ وطلبہ کے لئے رہائش گاہیں (دارالاقامہ) جن میں قسم قسم کی جدید ضروریات، مثلاً: پانی، بجلی اور پنکھا، پانی ٹھنڈا کرنے کے کولر اور گیس کے چولہے دستیاب ہیں۔

اور تحفیظ القرآن سے لے کر تخصصات تک تعلیم کا نہایت اعلیٰ انتظام موجود ہے، اور اللہ نے اس دینی مرکز کو حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے اخلاص کی برکت سے وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

ثم يوضع له القبول فى الارض۔

ایک طرف پروپیگنڈے کی دنیا سے الگ رہنے کی وجہ سے آس پاس کے باشندے بھی مدرسہ سے ناآشنا ہیں اور دوسری طرف قبولیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے کونے کونے سے تشنگانِ علم اور مغربی تہذیب وتمدن سے تنگ آئے ہوئے لوگ علم کے حصول اور قلبی تسکین پانے کے لئے آرہے ہیں۔ اگر ایک طرف ملک کے اطراف واکناف سے آئے ہوئے طلباء استفادہ کررہے ہیں تو دوسری طرف بیرون ملک کے کئی ممالک کے طلباء بھی طلبِ علم میں مصروف نظر آئیں گے۔

اور قلیل عرصہ میں تقریباً چھ سو علمائے کرام علوم دینیہ سے فارغ ہوکر ملک اور بیرون ملک خدمتِ دین میں مشغول ہیں، ان میں تقریباً ڈیڑھ سو بیرونی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں امریکہ، جنوبی افریقہ، یوگنڈا، ملائیشیا، ممالکِ عربیہ شامل ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ: دینی مدارس کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملے گی کہ امریکہ کے نومسلم گوروں اور کالوں میں سے کسی نے الف۔ با سے لے کر آخر تک دینی تعلیم پائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف اس دینی ادارے کو عطا فرمایا ہے کہ امریکہ کے دو نومسلم زیورِ علم سے آراستہ ہوکر فراغت حاصل کرچکے ہیں۔ ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء۔

مجلس منتظمہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

مجلس شوریٰ واساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے باہمی مشورہ اور کامل غور وفکر کے بعد یہ طے کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ ومہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ (حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ) کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت کی جگہ پر سہ رکنی کمیٹی کام کرے گی، یہ کمیٹی حضرت مولانا قدس اللہ سرہ کی نیابت کرے گی، اس کمیٹی کے سارے فیصلے باہمی اتفاق سے ہوں گے۔ کمیٹی کے حضرات یہ ہیں:

۱:......مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب۔

۲:......مولانا محمد حبیب اللہ مختار صاحب۔

۳:......مولوی محمد بنوری صاحب۔

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب حسبِ معمول وحسبِ وصیت حضرت قدس اللہ سرہ اہتمام کا کام کرتے رہیں گے اور مولوی محمد بنوری کے ذمہ مدرسہ کے جو شعبے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سپرد کئے تھے وہ بدستور ان کے پاس رہیں گے۔ (اراکین مجلس شوریٰ)